"سائنس، مذہب اور ذہنی سکون"

از جناب سید محمد افتخار الدین صاحب یعقوب انگلش ٹیچر بجنور انٹر کالج - بجنور

سائنس نظامِ کائنات میں غور و فکر اور مظاہر کائنات کی تحقیق و تفتیش کا نام ہے۔ کیمسٹری (علم کیمیا) میں مادہ اور تمام اشیاء کی بناوٹ اور ساخت و ترکیب سے بحث کی جاتی ہے۔ فزکس (طبیعیات) میں اشیاء کائنات میں پائی جانے والی قوتوں مثلاً حرارت، روشنی، آواز وغیرہ کے اصولوں پر غور و خوض کر کے ان توانائیوں کے اثرات مادہ پر دکھائے جاتے ہیں۔ بیالوجی (حیاتیات) میں حیوانات و نباتات کی ساخت پرداخت اور زندگی کے خصائص و لوازمات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ جیالوجی (یعنی علم جمادات) میں زمین کے نیچے پائی جانے والی اشیاء مثلاً مٹی کی مختلف قسموں اور چٹانوں کے مختلف پرتوں وغیرہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور آسٹرانومی یعنی فلکیات اور فلکی طبیعیات (آسٹروفزکس) میں ستاروں اور سیاروں کے نظامات، کہکشانی مادہ سے ان کی پیدائش و موت کے اصول و ضوابط سے بحث کی جاتی ہے، غرض یہ کہ سائنس کے کسی شعبہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو بنی نوعِ انسان کے قلبی سکون و راحت کو پامال کرنے والی ہو، سائنس محض کائنات اور نظامِ کائنات کے حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ تنقید و جائزہ اور نقد و نظر کا نام ہے۔ اس لحاظ سے سائنس اور علوم سائنس کا سرمایہ اپنی اصلی ماہیت کے اعتبار سے علمِ انسانی کا ایک قیمتی سرمایہ ہے جو کسی بھی دین و مذہب کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ آج سائنسی تحقیقات و انکشافات ہی کی بدولت قرآن کی آفاقی و انفسی دلائل، دینِ مبین (اسلام) کے ابدی حقائق کے روپ میں جلوہ گر ہو رہے ہیں کیوں کہ خلاقِ فطرت نے مظاہرِ فطرت کے

اصول و ضوابط کو اپنی مصلحت و حکمت کے تحت دین و شریعت کے اصولوں کے مطابق رکھا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُوْقِنِیْنَ یعنی اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کو (مطابقت و سچائی کے ساتھ) پیدا کیا ہے بلا شبہ اس مطابقت میں اہل ایمان کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ عنکبوت) دوسری جگہ ارشاد فرمایا "لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی" مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں زمین میں اور ان دونوں کے درمیان جتنی بھی چیزیں ہیں اور گیلی مٹی کے نیچے یعنی پاتال میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی خدائے بزرگ و برتر کی ملکیت ہے،" اس آیتِ شریفہ کا دائرہ جمادات یعنی جیالوجیکل اشیا سے لے کر افلاک تک وسیع ہے "لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ" میں نہ صرف تمام آسمانی ستارے و سیارے آجاتے ہیں بلکہ اُن میں موجودہ مخلوق بھی آجاتی ہے۔" وَمَا فِی الْاَرْضِ" میں کرۂ ارض پر پائی جانے والی تمام چیزیں آجاتی ہیں۔" وما بینھما" کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ خلائیات کے مظاہر اور اُن کی نیرنگیوں پر ہوتا ہے۔ اور "وما تحت الثریٰ" یعنی پاتال کے تحت جیالوجی کے تمام متعلقات آجاتے ہیں۔ اس طرح اس عالم رنگ و بو کی وہ کون سی چیز ہے اور وہ کون سا مظہر ہے جو ان چار بنی کلیات سے باہر ہو کہ جن پر غور و فکر کے لئے توجہ دلائی جا رہی ہے ظاہر ہے کہ ایمان بِرَبِّ الْعَالَمِیْن کے ساتھ ہر سائنسی اختراع و ایجاد وجہ سکونِ قلب ہوگی نہ کہ باعثِ انتشار۔

جاپان کے مشہور شہر کو تو میں حالیہ ایک نہایت عظیم الشان مذہبی عالمی کانفرنس میں جو اکتوبر ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئی تھی امریکہ کے ورلڈ کونسل آف چرچیز کے سکریٹری جناب ڈاکٹر یوجن کارسن بلیک نے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا . . . . "میرا پختہ عقیدہ ہے کہ مذہب" سائنسی ترقی" کا سب سے بڑا حامی اور مؤید ہے لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ" ترقی انسان کے لئے ہے انسان ترقی کے لئے نہیں" اس لئے روحانی اور مذہبی اقدار کو زندگی کے کسی مرحلے اور کسی منزل میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "ترقی" کوئی بھی ہو بہر حال کسی نظریہ اور کسی فکر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ کچھ نہ کچھ اقدار ہوتے ہیں جن پر ترقی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر یہ روحانی اور مذہبی اقدار نہیں ہوں گے تو وہ اقدار ہوں گے جن کو موجودہ عہد کی فکری تحریکوں مثلاً کمیونزم، ہیومنزم اور نیشنلزم نے جنم دیا ہے لیکن اس صورت میں ترقی کا رخ غلط ہوگا۔

اور وہ انسانیت اور انسان کے لئے موجب ہلاکت و نقصان دہ ہوگی اور اس کے برخلاف اگر ترقی کی اساس روحانی و مذہبی اقدار ہوتے اور مذہب و ترقی دونوں ساتھ ساتھ چلے تو ان سے انسانیت اور انسان دونوں کو فائدہ ہوگا اور تہذیب و تمدن صحیح خطوط پر آگے بڑھتے رہیں گے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے لوگوں کی ایک جماعت ترتیب دی جائے جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود زندگی میں مادہ پرستانہ نقطۂ نظر نہ رکھتی ہو"۔ بالفاظِ دیگر انھوں نے "داعیانِ امن و سلامتی" اسلام کے نام لیواؤں کو دعوتِ غور و فکر دی ہے کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی کو اپنا کر جن پر آج مادہ پرستوں اور ملحدوں کا قبضہ ہے دنیا کو "امن و سلامتی" کا راستہ دکھائیں۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ "امن" اپنے اصلی معنی اور ماہیت کے اعتبار سے صرف جسمانی تحفظ اور فقدانِ جنگ کا نام نہیں ہے اگرچہ یہ بھی بہت ضروری ہے . . . . لیکن یہ امن کا محدود وا یک طرفہ مفہوم ہے۔ دراصل "امن" کے معنی ہیں ایک فرد کا ایک طرف اپنے خالق کے ساتھ اور دوسری طرف اپنے ابنائے جنس کے ساتھ ایسا تعلق اور ربط جو منفعت بخش اور موجب فلاح ہو، اس دائرے میں وہ تمام تعلقات آجاتے ہیں جو ایک فرد کے ساتھ یا قوم کے ساتھ یا ایک قوم کے دوسری قوم کے ساتھ ہوں، پھر امن کسی خاص قسم کا نہیں بلکہ جسمانی، ذہنی، اخلاقی و روحانی غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اسلام اسی وسیع مفہوم میں امن کی ضمانت دیتا ہے جو توحید و رسالت اور یومِ آخرت پر یقین رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک میں دی ہوئی آیات کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ تزکیۂ نفس، ضبطِ نفس، فضائل و رذائلِ اخلاق، وحدتِ انسانیت، وحدتِ دین اور قوم و وطن نیز رنگ و نسل کے امتیازات، فساد فی الارض، اصلاح ذات البین اور حسنِ معاشرت وغیرہ کے متعلق اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ایک انسان میں انابت الی اللہ پیدا کر کے اس کو دنیا کا بہترین شہری اور اعلیٰ انسان بنا دیتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جدید سائنس کی بنیاد قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی تحقیقات ہی پر مبنی ہے۔ بغداد و قرطبہ (اسپین) میں علوم و فنون کا جو دیپ انھوں نے جلایا تھا اور تحقیقات و

تجربات کی جو مشعل روشن کی تھی اس کی روشنی مغرب کے ایوانوں تک پہنچ گئی جس کی تجلیوں سے مغرب کا "تاریک خطہ" بقعۂ نور بن گیا، پھر یہ حقیقت بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کیا وہ قرآن مجید کی حیرت انگیز دعوتِ فکر و نظر سے متاثر ہو کر ہی کیا۔ وہ مہندس ؒ سائنس داں ہو کر بھی خدائے پاک سے اپنا تعلق وابستہ رکھتے تھے، قرآنِ کریم دراصل سائنسی تحقیقات کے ذریعہ اپنے پیش کردہ عقائد و تعلیمات کی حقانیت ثابت کرنا چاہتا ہے اسی بنا پر وہ نظامِ کائنات میں غور و فکر کرنے کی پُرزور تاکید کرتا ہے اور مظاہرِ فطرت سے عبرت و بصیرت حاصل نہ کرنے والوں کو بہائم اور چوپایوں سے تشبیہہ دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارا یہ زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا عہد ہے ان کی غیر معمولی ترقی نے عالمِ آب و گل کو طلسم کدۂ ایجادات و اختراعات بنا دیا اور انسان نے جب سے نوامیسِ فطرت پر قابو پالیا ہے، علم و فن، شعر و ادب، صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن، اور معیشت و معاشرت غرض کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کی حیات مادی و جسمانی کا تعلق ہے اس میں عہدِ جدید نے وہ ترقی کی ہے کہ آج دنیا چشم کو ہر رنگ میں وا ہو جانے کی دعوت سراپا بن کر رہ گئی ہے لیکن اس ترقی کا سب سے زیادہ افسوس ناک اور تشویش انگیز پہلو یہ ہے کہ انسان قلب و روح کے سکون و اطمینان کی نعمت و دولت سے محروم ہو گیا ہے کیوں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی غیر معمولی پیش رفت نے ایک طرف انسان کے ہاتھ میں وہ محشر انگیز اسلحہ بھی دے دیئے ہیں جو کروڑوں انسانوں کی آبادی کو چشم زدن میں خاک سیاہ کر سکتے ہیں اور دوسری جانب اس نے اقوامِ عالم میں باہم رقیبانہ کشمکش، ہوسِ اقتدار و تغلب، خود غرضی، مطلب پرستی، ظلم و عدوان اور استحصال بالجبر کے جذبات کو برافروختہ کر کے انسان کو زندگی کے اقدارِ عالیہ سے بہت دور کر دیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ عالمی جنگ کا خطرہ ہر وقت انسان کے دل و دماغ پر مسلط ہے اور اس کے باعث امن و سکون ایک جنسِ نایاب بن کر رہ گئے ہیں۔

اس صورتِ حال پر جو مفکرینِ عالم برابر غور کر رہے ہیں ان میں ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ دنیا میں امن و سکون نہ سیاسی اور فوجی توازن برقرار رکھنے سے

حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عدل و انصاف اور مساوات حقوق انسانی کا وعظ کہنے سے بلکہ اگر وہ قائم ہو سکتا ہے تو صرف مذاہب عالم کی متفقہ جدوجہد سے اس لئے کہ آج سیاست، معاشیات اور سماجیات پر قبضہ ان لوگوں کا ہے جو ارباب مذہب کی صف میں شامل نہیں ہیں۔ اس بنا پر بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن کے دل و دماغ کو بدلا جائے اور اُن کی اصلاح کی جائے اور یہ کام سوائے مذہب کے اور کوئی طاقت نہیں کر سکتی کیوں کہ مذہب انسان کو ایک عقیدہ دیتا ہے اور اُس کے ذریعہ زندگی کے اقدار عالیہ سے اُس کے دل و دماغ کو معمور کر دیتا ہے اور وہ عقیدہ ہے عقیدۂ توحید و رسالت پر ایمان اور یوم آخرت کو برحق سمجھنا۔ اس کے برخلاف آج ذہنیت یہ ہے کہ مادہ اس کے مظاہر کا کوئی خالق و صانع اور ناظم و مدبر موجود نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ تخلیق بغیر کسی مقصد و غایت کے محض بخت و اتفاق کے تحت وجود میں آگیا ہے اور اس کا سارا نظام خود بخود اور آپ سے آپ چل رہا ہے جس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد ہوگا نہ انجام۔

اس عقیدہ پر سورۂ جاثیہ میں قرآنی تبصرہ یہ کہہ کر پیش کیا گیا وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ "یعنی ان مادہ پرستوں کا کہنا یہ ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں، ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں۔ ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے" بالفاظ دیگر جو کچھ ہے وہ سب زمانہ کے تغیرات ہیں نہ کوئی خدا ہے اور نہ کوئی خالق و مربی۔ آگے بتایا گیا کہ "دراصل ان مادہ پرستوں کو حقیقت کا صحیح علم نہیں ہے یہ تو محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں" بلاشبہ الحاد و دہریت کا یہ عقیدہ زمانۂ قدیم سے خال خال طور پر پایا گیا ہے لیکن آج اس سائنٹفک دور میں وہ جس عالم گیر شکل میں نظر آ رہا ہے اس کی مثال کسی دوسرے دور میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج سائنس کی ہر نئی ایجاد سے تعمیر سے زائد تخریب کا کام لیا جا رہا ہے۔

موجودات عالم میں ہر شے انسان کے لئے ایک بیش بہا نعمت ہے گو خامی عقل کی وجہ سے کہ انسان اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے تو یہ دوسری بات ہے اور وہ خود بلاشبہ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کے لحاظ سے بہترین مخلوق ہے لیکن عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے کے آلہ

سے جب محروم ہو جاتا ہے تو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ کی حدود پر پہنچ کر دم لیتا ہے افسوس ہے کہ سائنس اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے کے لئے اب تک کوئی آلہ ایجاد نہیں کر سکی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرتِ انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور زندگی میں رفتہ رفتہ ایسے جراثیم سرایت کرتے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ سائنسی تہذیب بوسیدہ ہوتی جا رہی ہے اور تمدن خود تمدن کا دشمن بن رہا ہے اس لئے کہ سائنس سے تعمیری کام کی بجائے تخریبی کام لیا جا رہا ہے۔

اِس صورتِ حال کو ظاہر بیں اور سطحی نظریں اگرچہ محسوس نہ کریں لیکن حقیقت بیں نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے اور وہ اِس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں۔ یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہے اور آج آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیت اپنے تحفظ و بچاؤ کی فکر میں ہے اور ایسی رہنمائی کی طلب گار ہے جو جذبات کی سرمستیوں اور شعلہ باریوں کو روک سکے نیز عقل کو قلب کی تربیت گاہ میں لے جا کر عمومی محبت و مروت کی چاشنی اس کو عطا کر سکے آج لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس قسم کی رہنمائی مذہب کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسر آ سکتی ہے لیکن زندگی میں مذہب کی ضرورت سے انکار انسانی معاشرے کے اُن رجحانات کی منطقی منزل ہے جو مادی ترقی کے لئے سائنس کو اساس ماننے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ انکارِ توحید و رسالت نیز معاد کی اساس پر زندگی کی تعمیر کرتے ہیں اور سطح بینی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق و مالک نہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج نئی تہذیب خاردار پودوں کی طرح زمین پر پھیل چکی ہے، خدا بے زار فلسفوں اور نظریات کے کڑوے کسیلے پھل اپنا اثر دکھا رہے ہیں اب ان کا زہر تلخیِ کام و دہن کے مرحلے سے گذر کر رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اور انسانی اعصاب پر تشنج کے شدید دورے پڑنے لگے ہیں، انگلینڈ کے ایک رسالہ دی پلین ٹرتھ (The Plain Truth) کی دسمبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں آر۔ ای میکنیر (R. E. Mecneir) کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ تاریخِ عالم انسانی میں کبھی نوجوان نسل اتنی بڑی تعداد میں کاہلی، بے چینی، مایوسی اور بغاوت کے جذبات کا شکار

نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے۔ آج کی مادہ پرست سائنسی نسل کو نہ تو اس بات کا ہوش ہے کہ وہ کس چیز کے خلاف بغاوت کر رہی ہے اور نہ وہ یہ جانتی ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے" مقالہ نگار نے خصوصاً ہپیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ دنیا کی ہر چیز کے مخالف ہیں، ہر شے سے ناراض ہیں، ہر اصول سے برگشتہ ہیں، ہر اخلاق سے منحرف ہیں اور ہر قانون سے بغاوت پر آمادہ ہیں، وہ خاندان سے دولت سے، سماجی نظام سے غرض ہر چیز سے مایوس بھی ہیں اور بے زار بھی، مقالہ نگار نے مزید لکھا ہے کہ اس وطیرہ کے لئے صرف نوجوانوں ہی کو ملزم قرار دینا صحیح نہیں ہے جب کہ بڑوں کا نمونہ بھی یہی کچھ ہے۔ یہی آوارگی، یہی بد اخلاقی، یہی لاقانونیت، یہی جنسی ہوس رانی پورے سماج میں رچی بسی ہوئی ہو تو پھر نوجوانوں کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ ۵ رجولائی ۱۹۶۹ء کو لندن کے ہائیڈ پارک میں ۵ لاکھ سے زائد ہپی لڑکے اور لڑکیوں کے اجتماع میں اور اسی طرح ۱۵ راگست ۱۹۶۹ء کو نیویارک میں ۴ لاکھ سے زائد مجمع میں عریانی، فحاشی اور گندگی کو دیکھ کر امریکہ کا اخبار نیویارک ٹائمز پکار اُٹھا "آخر یہ کس طرح کی تہذیب ہے جو وجود میں آرہی ہے" لندن کے اخبار چیخ اُٹھے ہیں کہ "سوسائٹی کا کارواں کس غلط راہ پر چل پڑا ہے" لیکن آج کون ہے جو بڑھ کر سائنس کے غلط نظریات پر مبنی تہذیب جدید کے پرستاروں کو بتلائے کہ "تم نے اپنے خالق و مالک کے بتلائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر جن پُر فریب راہوں کو اختیار کیا تھا تو تمھارا اس منزل پر پہنچنا ناگزیر تھا" آزاد جنسی اختلاط، اخلاقی قدروں سے بغاوت اور خدا بیزاری کے جذبہ سے معمور معاشرہ کا انجام اور کیا ہو سکتا ہے؟ آج سائنس کی ترقی کے اس دور میں انسان اگر قلبی سکون و راحت سے محروم ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! بڑھتی ہوئی فکری و ذہنی آوارگی نے دلوں کے سکون و اطمینان کو ختم کر دیا ہے تو پھر اس کی شکایت کیا!

گذارش

یاد دہانی کے خطوط برابر ارسال ہو رہے ہیں امید ہے جناب توجہ مبذول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

منیجر